نائجیریا: اسلام، عورت اور سیاسی حقوق

جوناتھن ٹی رینالڈز*

تلخیص: زبیدہ جبیں

نائجیریا کے شمالی علاقوں میں ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۶ء کے عرصے میں دو سیاسی پارٹیوں کانگریس/ NPC (Northern Peoples Congress) اور یونین/ NEPU (Northern Elements Progressive Union) کی کشمکش عروج پر رہی۔ کانگریس کا سلسلہ ۱۸۰۰ء میں قائم ہونے والی سکوتو خلافت سے جڑتا ہے۔ جس کو عثمان دان فودیو نے قائم کیا تھا۔ یہ لوگ ان سابقہ عاملین حکومت (possesors of governance) کے سلسلہ ہی کی ایک کڑی تھے۔ لہٰذا ان کو قدامت پسند کہا جاتا۔ جبکہ یونین کے نوجوان پڑھے لکھے تھے۔ اور شمالی علاقوں میں ترقی پسند تبدیلی چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جو لوگ کانگریس سے وابستہ ہیں اور حکومت میں شامل ہیں، وہ عام لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ جبکہ سیاسی قوت کے لیے عوام کے منتخب لوگ ہی مناسب ہیں۔ کانگریس کے لوگ عام روایتی امورِ حکومت انجام دے سکتے ہیں۔ یوں دونوں جماعتوں کے سیاسی مقاصد اور پروگرام میں تو اختلاف تھا، لیکن دونوں جماعتیں اپنے پروگرام کی وضاحت کے لیے اسلام ہی کا نام لیتی تھیں اور دوسری بات یہ کہ اپنے مخصوص سیاسی مقاصد کی تکمیل وحصول کے لیے مذہبی حوالوں، مذہبی تاریخ اور اسلامی اداروں کی اپنی اپنی تعبیر کرتی تھیں۔

دونوں جماعتوں میں سب سے بڑی وجہ نزاع عورتوں کے سیاسی حقوق کا مسئلہ تھا۔ اگرچہ اصل بحث عورت کے اقتدار کا مسئلہ تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ سماجی سرگرمیوں میں اس کے کردار کو بھی زیرِ بحث

* Jonathen T. Reynolds, "Islam, Politics and Women's Rights," Comparetive *Studies of South Asia, Africa and the Middle East*, Vol. XVIII, No. 1 (1998) pp. 64 - 73

رکھا گیا۔ کانگریس نے روایتی کردار ہی کی حمایت کی اور سیاسی حقوق دینے کی مخالفت کی جبکہ یونین کا مؤقف تھا کہ عورتیں روایتی کردار سے ہٹ کر نئی (سیاسی) ذمہ داریاں بھی قبول کریں۔ زیرِنظر مضمون میں اسی بنیاد پر ان پارٹیوں کے نظریات، ان کے پس منظر اور اس کے اثرات کا بہ تفصیل تجزیہ کیا گیا ہے۔

عورتوں کے سیاسی حقوق کے مسئلے نے ۱۹۵۶ء کے بعد شہرت حاصل کی۔ اور اسی کی دہائی میں دونوں پارٹیوں نے خواتین ونگ قائم کر لیے۔

یونین وہ پہلی جماعت ہے، جس نے عورتوں کو سیاسی عمل میں شریک کرنا شروع کیا۔ اس کے لیے اس نے خواتین ونگ کو بہت منظم کیا۔ انہیں اپنے عہدہ داران کے انتخاب کا اختیار بھی حاصل تھا اور انہیں اس ضمن میں تربیت بھی دی جاتی۔ حاجیا جمائی دول، جو خواتین ونگ کی پہلی ممبر تھیں بیان کرتی ہیں کہ ہمارے گروپ میں شامل خواتین میں سے کسی کی عمر بھی ۳۰ سال سے زائد نہ تھی۔ دیگر خواتین تک رسائی حاصل کرنے کے لیے یونین نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ زیادہ سے زیادہ خواتین اس جانب راغب ہوں۔ اس کے لیے انہوں نے اپنی خواتین کو گھر گھر بھیجنا شروع کیا۔ نیز ان کے خیال میں خواتین روایتی Kulle (پردہ اور عورتوں کو گھر تک محدود کرنے کا رواج) کی وجہ سے ریلیوں میں شرکت سے گریز کرتی تھیں لہٰذا یونین کی خواتین ونگ کی ممبران نے اس رکاوٹ کو ختم کرنے کے لیے بھی کام کیا۔ نیز یونین خواتین کے تعلیمی منصوبوں کی بھی حامی تھی۔ یونین نے اپنے جلسوں میں عورتوں کی حاضری بڑھانے، دلچسپی قائم رکھنے اور فنڈ اکٹھا کرنے کے لیے Goge (آلۂ موسیقی) کے گرد ڈانس کروانے کا آغاز بھی کیا۔ اور اس کے ذمہ داران کو اس بات کی شکایت بھی موصول ہوئی کہ جب یونین کے جلسوں میں نوجوان عورتیں ڈانس کر رہی ہوتی ہیں تو کانگریس کے نوجوان مرد اس کو دلچسپی سے دیکھتے ہیں اور اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس پر تانکویا کا ساکی نے کہا کہ

> ہم نے ڈانس کا آغاز اسی لیے کیا کہ لوگوں میں تحریک پیدا ہو اور وہ بھرتی ہوں، اور اس کام کے لیے نوجوان خواتین ہی حقیقی معاون بن سکتی ہیں۔

اس کے برعکس کانگریس نے علیحدہ خواتین ونگ تو قائم کر لیا تھا مگر یونین کی طرز پر خواتین کو پارٹی میں سمونے کے عمل کی تقلید نہیں کی تھی۔ اور وہ جانتے تھے کہ یونین ہی علاقے کی خواتین کی ہمدردیاں سمیٹنے

میں کامیاب ہے۔ یونین کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے مقابلے کے لیے کانگریس نے مقامی طور پر کچھ خواتین کوممبر شپ دینا شروع کی۔ مگر اس کی بیشتر ممبر شپ دراصل پارٹی کے لیڈروں کے تعلقات اور دوستیوں ہی کا نتیجہ تھی۔ مثال کے طور پر کانو میں کانگریس خواتین ونگ کی ایک لیڈر، لاوی کارا، وہاں کے امیر کی ایک لونڈی/ بیسوا تھی۔ اسی طرح ایک اور اطلاع کنندہ نے بتایا کہ کانگریس کا عام طریقہ کار یہ ہے کہ وہ مختلف مقامی نمایاں خواتین کو ویمن ونگ کی مختلف شاخوں کا لیڈر مقرر کر دیتی ہے، مگر عملی طور پر ان کے درمیان میٹنگ شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔ کانگریس کی اس کیفیت کا سبب یہ تھا کہ ان کی خواتین کے بارے میں بنائی گئی پالیسی متعصّبانہ تھی اور انہوں نے گھر گھر جا کر کام بھی نہ کیا۔ لہذا ۱۹۵۷ء کے ایک اخباری مضمون میں بتایا گیا کہ Maiduguri میں ویمن ونگ بالکل ختم ہوگئی اور اس کے صرف دو ممبران رہ گئے۔

خواتین کے لیے سیاسی حقوق کی بات جوں جوں آگے بڑھی، توں توں یہ بات مقبول ہوتی گئی کہ سیاست عورتوں کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ رفتہ رفتہ اس بات کی عملی تعبیریں ہونے لگی کہ اکثر پارٹیاں اپنی حمایت کرنے والوں کی جنسی ضروریات کی تکمیل کے لیے طوائفوں کا انتظام بھی کرتی رہیں۔

خواتین کے لیے سیاسی حقوق کی بات جوں جوں آگے بڑھی، توں توں یہ بات مقبول ہوتی گئی کہ سیاست عورتوں کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ رفتہ رفتہ اس بات کی عملی تعبیریں ہونے لگی کہ اکثر پارٹیاں اپنی حمایت کرنے والوں کی جنسی ضروریات کی تکمیل کے لیے طوائفوں کا انتظام بھی کرتی رہیں۔ رینی ٹین کی ریسرچ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً تمام ہی پیشہ ور عورتیں سیاسی مہمات میں شریک رہتی تھیں اور یہ مہم کانگریس کی حمایت میں چلائی جاتی۔ خواتین جو دوسری سیاسی جماعت کی حمایت کر رہی ہوتیں، عموماً اپنی حمایت تبدیل بھی کر لیتی تھیں۔ پارٹی ان کی اس پیشہ ور حیثیت کی حمایت کرتی، اگرچہ وقتاً فوقتاً ان کے اس فعل کی مذمت بھی کی جاتی۔ ایک اخبار کے اداریہ کے مطابق

> اگر کوئی کسی ایک عوامی جلسے کو دیکھے تو محسوس کرے گا وہاں پر عورتوں کی کوئی عزت و احترام نہیں ہے، بلکہ یونین یا کانگریس کے لیڈروں کی بیویوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔

اس بیان کا یہ مطلب بھی نہیں کہ سب کی سب عورتیں ہی روپوں کی خاطر جسم فروشی کا کام کر رہی

تھیں۔ اگرچہ کچھ خواتین یقینی طور پر ایسی ہی تھیں مگر کچھ صرف اور صرف سیاست کے کام میں مشغول تھیں۔ لیکن انہیں بھی Karuwai کا درجہ ہی دیا جاتا۔ دراصل Karuwai کی اصطلاح اکثر ان خواتین کے لیے استعمال ہوتی تھی جنھوں نے Hausa قبیلے کی روایات کے خلاف زندگی گزارنے کو پسند کرلیا ہو۔ اور جب وہ اس نظریے کے ساتھ سیاست میں شامل ہوئیں تو وہ عملاً خواتین سے متعلقہ معاشرتی ذمہ داریوں کو ادا کرنے سے قاصر ہوتیں۔ اپنے ان حقیقی خانگی امور سے علیحدگی اور گھر سے باہر کثرتِ کار کی وجہ سے انہیں ایک Karuwai ہی کا درجہ دے دیا جاتا (حالانکہ یہ حقیقت نہ تھی) الغرض ان خواتین نے بھی اور حقیقی جسم فروش عورتوں نے بھی کانگریس اور یونین کے مفادات کے لیے کام کیا۔

ان خواتین تنظیموں کے قیام کے بعد ۱۹۶۰ء تک ''کارووائی'' (Karuwai) کے خاتمے کی مہم کا آغاز بھی ہو گیا۔ اور ''اخلاقیات کی بحالی'' اور ''غیر اسلامی سرگرمیوں کی بندش'' جیسے نعروں کی خوب تشہیر ہونے لگی۔ کانگریس کے حامیوں کے لیے یہ سنہرا موقع تھا کہ وہ اپنے مخالفین (بالخصوص یونین) کے نظریات کی مذمت کرسکیں۔ یونین کا مؤقف تھا کہ اگرچہ ہم بھی قحبہ گری کے خلاف ایک مہم چلا رہے ہیں، لیکن ہمارے ساتھ ظلم ہو رہا ہے۔ کیونکہ صرف ہماری پارٹی سے متعلق قحبہ گر خواتین کو گرفتار کیا جا رہا ہے اور ہماری ممبران کو دھمکیاں بھی موصول ہو رہی ہیں۔ حاجیا جمائی وول نے بتایا کہ مجھے اس وقت پہلی مرتبہ گرفتار کیا گیا جب میں صرف پندرہ سال کی تھی۔ حاجیا گمبو سوابا نے ۱۹۵۸ء میں الزام لگایا کہ یونین کی خواتین ونگ کی ایک میٹنگ میں (جو کانو میں منعقد ہو رہی تھی) شریک تمام چالیس خواتین کو گرفتار کرلیا گیا اور ایک ماہ کے لیے جیل بھیج دیا گیا۔

ان خواتین تنظیموں کے قیام کے بعد ۱۹۶۰ء تک ''کارووائی'' کے خاتمے کی مہم کا آغاز بھی ہو گیا۔ اور ''اخلاقیات کی بحالی'' اور ''غیر اسلامی سرگرمیوں کی بندش'' جیسے نعروں کی خوب تشہیر ہونے لگی۔

الغرض اس طرح کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شمالی نائجیریا میں خواتین کی سیاسی سرگرمیوں کے خلاف کافی وسیع پیمانے پر رکاوٹیں ڈالی گئیں۔ وہ خواتین جنھوں نے معاشرتی پابندیوں جیسے Kulle کو توڑنا چاہا اور خواتین میں فروغ تعلیم کے راستے میں حائل رکاوٹ پر قابو پانا چاہا ان کو شدید مشکلات کا

سامنا کرنا پڑا۔ مگر اس کے باوجود وہ ان تمام خطرات کو مول لینے کو تیار تھیں جس کو انہوں نے سچ جانا۔

۱۹۵۷ء میں عورتوں کے سیاسی حقوق اور کردار کے بارے میں ایک بین الاقوامی دستوری کانفرنس لندن میں منعقد ہوئی۔ جس میں کانگریس یونین، ایکشن گروپ اور نیشنل کونسل کے لوگوں کو اپنا اپنا موٴقف بیان کرنے کا موقع ملا۔ اس کانفرنس، میں دنیا بھر سے آئے ہوئے سامعین شریک تھے۔ اس موقع پر کانگریس کے لیڈر نے اپنی پارٹی پالیسی کا تذکرہ کیا اور کہا کہ عورتوں کو ووٹ کا حق دیا جانا بالکل غیر اسلامی ہے۔ جب بی بی سی کے ایک نامہ نگار نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کی پارٹی عورتوں کے ووٹ کے حق کی کیوں مخالفت کرتی ہے تو انہوں نے جواب دیا ''ہمارے مذہب کی وجہ سے۔ اس بات کو شمالی نائجیریا کے تمام اخبارات نے شہ سرخیوں میں جگہ دی۔ یوں ایک مرتبہ پھر عورتوں کے سیاسی حقوق اور کردار سے متعلق بحث شروع ہو گئی۔ اب اس تقریر کے بعد بحث کا موضوع عورت کے سیاسی حقوق کی بجائے عورت کے سیاسی حقوق کی اسلامی بنیاد بن گیا۔ اب ہر پارٹی کی سرگرمیوں کا موضوع ہی عورتوں کے سیاسی حقوق بن گیا تھا۔

> حقیقت یہ ہے کہ شمالی نائجیریا کی عورتیں اسلام کے سبب پیچھے نہیں ہیں بلکہ اس کی وجہ مقامی کلچر کے بندھن ہیں، اور اپنی روایات کو اسلام کی تعلیمات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

انہی دنوں ''گاسکیا'' نامی اخبار میں ۸ حصوں پر مشتمل ایک مضمون بعنوان ''اسلام میں عورت کا مقام'' عیسیٰ ولی نے تحریر کیا، جو یونین کا حامی تھا۔ اس کے مطابق مردوں اور عورتوں کے حقوق (سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی) ہر لحاظ سے برابر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شمالی نائجیریا کی عورتیں اسلام کے سبب پیچھے نہیں ہیں بلکہ اس کی وجہ مقامی کلچر کے بندھن ہیں، اور اپنی روایات کو اسلام کی تعلیمات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ولی کا یہ بیان اس قدر اثر انگیز تھا کہ اس اخبار میں اگلے چار ماہ تک اسی موضوع پر لے دے ہوتی رہی۔۔۔ولی دراصل یونین کا ہمدرد تھا۔ اور اس کے خیالات کو یونین ہی کی پالیسی سمجھا جاتا تھا۔ ولی نے عورتوں کے سیاسی حقوق اور معاشرتی کردار کے بارے میں مزید یہ تحریر کیا۔

میری خواہش ہے کہ قرآن کے حقیقی پیغام کو پیش کر دوں۔ مقامی مسلمان علماء جو معانی بیان کرتے

ہیں، وہ درست نہیں ہیں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ اسلام میں جو چیز فرض ہے، اور ہماری مقامی روایات میں جس کو اسلامی فرض قرار دیا گیا ہے اس فرق کو بھی واضح کردوں۔

ولی کا کہنا تھا کہ خواتین کا سیاست میں حصہ لینا اسلام کے خلاف نہیں ہے۔ اس سلسلے میں وہ حضرت علیؓ کے خلاف حضرت عائشہؓ کی بغاوت کو بار بار بیان کرتا ہے۔ بعدازاں عباسیوں کے دور میں عورتوں کو جو مقام حاصل رہا ہے اس کا بھی ذکر کرتا ہے۔ البتہ عورت ولادت اور رضاعت کے سبب سب سے بڑی پوزیشن پر نہیں آسکتی۔ تاہم جج بننا، علاقائی اور مقامی کونسلوں کا رکن بننے میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ شمالی نائجیریا میں عورتوں کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی ناروا ہے، کیونکہ دیگر اسلامی ممالک مثلاً مصر، پاکستان، شام، ترکی اور ملائیشیا میں عورت کو ووٹ دینے کا حق ہے۔ ولی نے عورتوں کی نقل و حرکت، تعلیم، تعدد ازواج اور عورتوں پر پابندیوں کی بابت بھی بحث کی۔ اس نے کہا:

> پوری مسلمان امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ محنت کرے اور اسلام کا حقیقی مفہوم پہچانے، تہذیب کے معاملے میں حق اور باطل کو غلط خلط نہ کرے، شمالی نائجیریا میں ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس کا قرآن میں کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔

مزید برآں ولی نے پردے کی روایتی شدید پابندیوں، چار چار شادیوں کی اجازت اور عورتوں کی تعلیم پر بھی اسلامی نقطۂ نظر سے دلائل دیے۔

ولی کے خیالات کی تردید بہت سے لوگوں نے کی۔ اس سلسلے میں کانگریس کا کہنا تھا کہ اسلام عورتوں کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگاتا ہے۔ عورت کو ووٹ کا حق دے دینا بھی سربراہ بنانے کے مترادف ہے (جبکہ عورت کی سربراہی اسلام میں ناجائز ہے)۔ نیز پردے اور تعلیم کے بارے میں بھی ولی کے خیالات درست نہیں ہے۔

ایک خیال تھا کہ جن ممالک کا ذکر کیا گیا ہے ان میں تو فری کلچر ہے۔ الحاجی ابوبکر نے کہا: کہ ولی جن مصادر سے یہ چیزیں حاصل کر رہا ہے، وہ درست نہیں ہیں۔ نصیرو کبارا نے کہا کہ انہوں نے عورتوں کو اقتدار کے مقام پر فائز کرنے کے لیے کوئی سند پیش نہیں کی ہے۔ یہ محض بے وقوفی اور جہالت ہے۔ کوڈو

فا کے ایک سردار اور کانگریس کے ممبر الحاجی ڈورومن ایا کا کہنا تھا کہ ووٹ ڈالنے کے لیے عورتوں کے باہر نکلنے سے مراد یہ ہے کہ عورتیں مردوں کے ساتھ آزادانہ ملیں۔ پردے کی خلاف ورزی ہو۔ اور یہ دونوں اعمال اسلام کے خلاف ہیں۔ ولی کے خیالات کی تردید کرتے ہوئے موسیٰ بوجودے نے کہا:

> ہمارے دور کی سب سے بڑی مثال عثمان دان فودیو کی ہے، ہمیں معلوم ہے کہ انہوں نے اپنی بیویوں کو اپنے گھروں تک کا رکھا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ ہمارے درمیان رہتے تھے لیکن آنحضرتؐ سے روزانہ مخاطب ہوتے تھے۔ اگر عورتوں کو گھروں پر رکھنا برا ہے تو حضورؐ ضرور عثمان سے کہتے کہ یہ غلط ہے، ایسا نہ کرو۔

ایک صاحب نے یہ دلیل پیش کی کہ ہماری ۹۹ فیصد عورتیں ان پڑھ ہیں اور عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔ اگر انہیں ووٹ کا حق دے دیا گیا تو اس کا مطلب ہے کہ آپ نے اپنے معاملات ان پڑھ، ناواقف اور جاہل ہجوم کے سپرد کر دیے۔ آپ سوچ لیں کہ اس سے کتنا نقصان ہوگا۔

اسی طرح ایک حدیث یہ پیش کی گئی کہ عورت گھر سے دو حالتوں میں ہی نکل سکتی ہے جب اپنے شوہر کے گھر جا رہی ہو، یا جب مر جائے۔

عورتوں کی تعلیم کے بارے میں بھی لوگوں کا یہ خیال تھا کہ تعلیم دینی چاہیے لیکن نہ تو گھروں سے باہر نکلنے دینا چاہیے نہ ہی انہیں مردوں سے اختلاط کی اجازت ہونی چاہیے۔ اور یہ بات کہ ان کو کیسی تعلیم دینی چاہیے اس پر بھی سب متفق ہیں کہ عورتوں کو صرف کھانا پکانے، صفائی اور بچوں کی تربیت کے بارے میں تعلیم دیں۔ اس کے علاوہ جو تعلیم بھی دی جائے گی وہ غیر اسلامی ہوگی۔

قابل غور بات یہ ہے کہ خود عورتوں میں سے کسی نے بھی عیسیٰ ولی کے خیالات پر اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ Auda dan نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اس کی دو وجوہ بیان کیں ایک تو ان کا غیر تعلیم یافتہ ہونا اور دوسرا خوف کا شکار ہونا کہ وہ اپنے بارے میں اس طرح کی باتیں نہیں سن سکتیں اور نہ ہی بحث میں پڑ سکتی ہیں۔ اس کی وجہ بھی ان کا غیر تعلیم یافتہ ہونا ہے۔

بہر حال یہ تمام بحث اور اس علاقے میں ان دونوں پارٹیوں کے مؤقف کے جائزے سے یہ پتا چلتا ہے کہ کلچر پر زیادہ تر عورتیں ہی اثر انداز ہوتی ہیں اور دونوں پارٹیوں نے عورتوں کی حالت سدھارنے

کے لیے اپنے اپنے معنوں میں مذہب کی تشریح کی۔ کانگریس کا رویہ قدامت پرست تھا۔ اس کے اس مؤقف سے پہلی ری پبلک میں عورتوں کو ووٹ کا حق نہ ملا۔ حزب اختلاف کا مطالبہ جاری رہا۔ اور جونہی پہلی ری پبلک کا خاتمہ ہوا، یونین کو اپنے مقاصد حاصل ہو گئے۔ عورتوں کو ووٹ کا حق مل گیا۔ قدامت پسند نظریات رکھنے والوں کا زور کم ہوا۔ اور یونین نے علاقے میں دیگر اہم کامیابیاں بھی حاصل کیں۔